زندگی اور موت کو پیدا کرنے والے ربّ کی ہر قسم کی برکتیں حاصل کریں

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۴؍ مارچ ۱۹۷۵ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد و تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:-

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ۝ الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ۝ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۭ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ۭ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ (الملک:۲ تا ۵)

پھر حضور انور نے فرمایا:-

مجھے کچھ عرصہ سے پیچش کی تکلیف زیادہ رہی ہے اس لئے پچھلے جمعہ کی نماز میں خطبہ کے دوران دل کی دھڑکن شروع ہوگئی تھی۔ یہ تکلیف معدے اور انتڑیوں کی خراش کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہے۔ گو پہلے سے افاقہ ہے لیکن ابھی پوری طرح آرام نہیں آیا۔ دوست دعا کریں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے صحت عطا فرمائے۔

جو آیات میں نے تلاوت کی ہیں، ان میں جو مضمون بیان ہوا ہے اس کے ایک حصہ کو تو میں نے پچھلے خطبہ جمعہ میں مختصراً بیان کر دیا تھا۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ کے متعلق میں نے بتایا تھا کہ قرآن کریم کے محاورہ میں انسان میں سات قسم کی زندگیاں پائی جاتی ہیں اور ہر

زندگی کے مقابلہ میں ایک موت ہے کیونکہ موت نام ہے زندگی کے فقدان اور اس کے ضائع ہو جانے کا۔ تاہم ان آیات میں جو مضمون بیان کیا گیا ہے وہ صرف یہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کو پہلو بہ پہلو پیدا کیا اور اس کی حکمت یہ ہے کہ اچھے اور بُرے اعمال کو ظاہر کرے۔ ویسے تو ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ ظاہر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو بھی پتہ لگے اور دوسروں کو بھی پتہ لگے کہ احسن عمل کرنے والے کون ہیں اور وہ کون ہیں جو احسن عمل نہیں کرتے۔

ان آیات میں جو اصل مضمون بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی برکتیں اور نعمتیں حاصل کرنی ہوں تو انسان کو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ غیر اللہ کی طرف رجوع کرنا بالکل لایعنی اور بے مقصد ہے کیونکہ تمام برکات اور تمام نعمتوں کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ہم عاجز انسانوں کو سمجھانے کے لئے یہ بتایا گیا ہے کہ تمام برکتیں اور نعمتیں اللہ تعالیٰ سے حاصل ہوتی ہیں کیونکہ حقیقی بادشاہ وہی ہے فرمایا بِيَدِهِ الْمُلْكُ بادشاہت سارے اقتدار کے ساتھ پوری کی پوری اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ متصرف بالارادہ ہستی ہے فرمایا هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ وہ جو چاہے سو کرتا ہے۔ اُسے کوئی چیز عاجز کرنے والی نہیں۔ حقیقی بادشاہت کے لئے عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر ہم حقیقی بادشاہت کا تصور ہی نہیں کر سکتے۔ دُنیا کی جو بادشاہتیں ہیں یہ نہ حقیقی بادشاہتیں ہیں اور نہ دُنیا کے بادشاہ اور برسرِ اقتدار لوگ حقیقی بادشاہ یا حاکم ہیں۔ اب ان دُنیوی بادشاہوں اور حاکموں کو دیکھو کہ چاہتے کچھ ہیں یا اپنی خواہش کا اظہار کچھ کرتے ہیں اور عمل کچھ کرتے ہیں۔ ایک گروہ کو ایک گروہ کے خلاف فیصلہ بھی دے دیتے ہیں اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ کیا کریں بڑی مجبوریاں پیش آ گئی تھیں۔

پس یہ تو کوئی بادشاہت نہیں، یہ تو کوئی حاکمیت نہیں، اللہ تعالیٰ حقیقی بادشاہ ہے جس کے متعلق یہ وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ یہ کہے کہ چاہتا تو میں کچھ اور تھا مگر مصلحتوں نے مجھے مجبور کر دیا اس لئے اپنی خواہش کے خلاف میں نے کچھ اور کیا ہے مگر اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرتا کیونکہ وہ کہتا ہے هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ جس چیز کو وہ چاہتا ہے جس کام کے کرنے کا وہ ارادہ

کرتا ہے اس کے کرنے پر وہ قادر ہے۔ دُنیا کی کوئی طاقت اُسے اس کے ارادہ کو پورا کرنے میں عاجز نہیں کرسکتی۔ پس ہمیں یہ سمجھایا گیا ہے کہ تمام برکتوں کا جو سرچشمہ ہے اور جو حقیقی بادشاہ ہے اسی سے ہر برکت اور نعمت مل سکتی ہے۔ جو حقیقی بادشاہ نہیں وہ اگر کسی کو کوئی چیز دینا بھی چاہے تب بھی بعض دفعہ نہیں دے سکتا اور بسا اوقات دینا ہی نہیں چاہتا۔ اسی طرح دُنیوی بادشاہتیں بعض دفعہ حق تلفی کی طرف اس سے زیادہ مائل ہو جاتی ہیں جتنی اُن کی رعایا فساد اور حق تلفی کی طرف مائل ہوتی ہے یا دُنیوی بادشاہ چاہتے نہیں کرنا اور یا پھر چاہتے ہیں یا اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم یوں چاہتے ہیں لیکن عملاً کر نہیں سکتے۔

دراصل حقیقی بادشاہت تمام قسم کے بندھنوں سے آزاد ہوتی ہے لیکن دُنیا کی ہر مخلوق قانون قدرت میں بندھی ہوئی ہے۔ درخت یہ نہیں چاہ سکتے کہ وہ لوہے کا کام دیں وہ یہ کام دے ہی نہیں سکتے اُن کے لئے اللہ تعالیٰ نے لکڑی کا کام دینا مقدر کر رکھا ہے۔ پس حقیقی بادشاہت اسی کے تصرف میں ہے اس لئے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے وہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے اور اس حقیقی بادشاہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ نیکی کے علاوہ بدی کا اختیار رکھتے ہوئے نیکی کرے اور اسی طرح اس بات کا اختیار رکھتے ہوئے کہ اگر وہ چاہے تو خدا تعالیٰ سے دُور بھی ہو سکتا ہے، وہ خدا تعالیٰ کے قُرب کی راہوں کو ہر قسم کی قُربانیاں دے کر تلاش کرے اور پھر ان پر گامزن رہے اور اس قربِ الٰہی کے نتیجہ میں برکتوں کو حاصل کرے۔

پس ساتوں قسم کی موت اور زندگی اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتیں حاصل کر سکے۔ بعض اس قسم کی زندگی ہے کہ وہ سوائے انسان کے اور کسی کی نہیں ہے مثلاً روح اور جسم کا اتصال، ایک یہ زندگی ہے جس کے مقابلہ میں موت آتی ہے یعنی روح اور جسم کا اتصال ٹوٹ جاتا ہے اور جسم جو مٹی سے بنا ہے وہ مٹی میں واپس مل جاتا اور روح جسے اللہ تعالیٰ نے قائم رہنے کے لئے بنایا ہے وہ اگلے درجہ میں داخل ہو جاتی ہے۔ یہ ایک لمبا مضمون ہے اس کی تفصیل میں مَیں اس وقت نہیں جا سکتا۔ بہر حال روح ایک اور منزل میں پہنچتی ہے اور پھر اس کی زندگی بھی قائم رہتی ہے اور اس کی ترقی کے لئے دروازے بھی کھلے رہتے ہیں۔

غرض انسان کو ساتوں قسم کی زندگی عطا کی گئی ہے مگر غیر انسان کو اللہ تعالیٰ نے سات قسم کی زندگی نہیں دی بعض کو کم قسموں کی اور بعض کو زیادہ مگر انسان کو ساتوں قسم کی زندگی دی۔ اس زندگی اور موت کے متعلق میں نے پچھلے خطبہ میں مختصراً بتا دیا تھا۔ انسان کو یہ زندگی اس لئے دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے آزمائے۔ ویسے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے علم سے تو کوئی چیز پوشیدہ تھی اور آزمائش کے نتیجہ میں ظاہر ہوئی وہ تو علاّم الغیوب خدا ہے، اس کے علم سے تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں لیکن جہاں تک انسان کا تعلق ہے اور اس کی زندگی کا سوال خود انسان کے علم سے پوشیدہ تھی اور انسان کے ماحول سے پوشیدہ تھی۔ بہت سے لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت بڑے ہیں اور اس طرح وہ متکبّر بن جاتے ہیں۔ اُن کے اندر کبر پیدا ہو جاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے میں علم میں بڑا ہوں کوئی کہتا ہے کہ میں روحانیت اور تزکیہ نفس اور طہارت میں بڑا ہوں کوئی کہتا ہے کہ میرے جسم میں اتنی طاقت ہے کہ کوئی پہلوان میرا مقابلہ نہیں کر سکتا یہ اور اسی قسم کے دوسرے تکبر انسان کے لئے موت کا باعث بن جاتے ہیں۔ جس چیز کو انسان زندگی سمجھتا ہے، وہ اس کے لئے موت بن جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی درگاہ سے وہ دھتکار دیا جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کی برکتوں اور نعمتوں کے حصول کی بجائے وہ اللہ تعالیٰ کی لعنتوں کا وارث بن جاتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ موت وحیات کا سلسلہ اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ تمہیں بھی پتہ لگے اور دوسروں کو بھی پتہ لگے کہ تمہارا مقام کیا ہے تمہاری حیثیت کیا ہے تم زندگی کے حامل ہو یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کی شکل میں تم پر موت وارد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیز بھی ہے وہ بڑی طاقت والا ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ تم اس سے زبردستی یہ منوالو کہ تم پاکیزہ ہو حالانکہ قرآن کریم نے یہ کہا ہے کہ فَلَا تُزَكُّوٓا اَنْفُسَكُمْ اپنے آپ کو تزکیہ یافتہ یا پاک نہ ٹھہرایا کرو کیونکہ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى (النجم:۳۳) تقویٰ کا علم اور اس کا فیصلہ اور اس کا اظہار اور اس کے مطابق اپنی قدرت کی تاروں کو ہلانا یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے یہ انسان کا کام نہیں ہے۔ پس وہ عزیز ہے اور بڑی طاقت والا ہے کوئی شخص اس کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتا لیکن مایوسی بھی نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ وہ غفور بھی ہے وہ مغفرت کرنے والا ہے۔ یہ انسان کا کام ہے کہ وہ ہر لحظہ اور ہر آن استغفار کرتا رہے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا طلبگار رہے اور

تیسرے یہ بتایا کہ تمام برکتیں اور نعمتیں اللہ تعالیٰ ہی سے حاصل کی جاسکتی ہیں اور اس کے لئے اس نے یہ بتایا تھا کہ یہ ظاہر کرے کہ احسن عمل والا کون ہے اور انسان کے حُسنِ عمل کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو قانون بنایا ہے وہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر بنے۔ اللہ تعالیٰ کی بنیادی صفت یہاں یہ بیان کی گئی ہے کہ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اوپر نیچے مگر ایک دوسرے سے موافقت رکھنے والے بنائے ہیں ان کی خاصیتوں میں بھی تضاد نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ پہلا آسمان کسی اور طرف لے جا رہا ہو اور اس کا نتیجہ کچھ اور نکل رہا ہو اور دوسرے آسمان کا کچھ اور۔ ساتوں آسمان اوپر نیچے بھی ہیں اور آپس میں موافق بھی ہیں اور ان کے ذریعہ انسان کے لئے روحانی ترقی کے درجہ بدرجہ سامان بھی پیدا کئے گئے ہیں کیونکہ اس عالمین کے جو سات آسمان ہیں ان کے علاوہ روحانیت کے بھی سات آسمان ہیں اور ان پر انسان درجہ بدرجہ بلند ہوتا ہے۔ اس کے لئے اُسے محنت کرنی پڑتی ہے بہت مجاہدہ کرنا پڑتا ہے اور عاجزانہ راہوں کو اختیار کرنا پڑتا ہے اس کے لئے اُسے خدا کے دامن کو پکڑ لینا پڑتا ہے اس عہد کے ساتھ کہ دُنیا اس کے ساتھ جو مرضی سلوک کرے وہ اپنے رب کے دامن کو کبھی نہیں چھوڑے گا۔

پس برکت والا ہے وہ خدا جس نے سات آسمان درجہ بدرجہ اوپر نیچے اور بالکل موافق پیدا کئے۔ یہ نہیں کہ کسی کے زاویے کسی دوسری طرف نکلے ہوئے ہوں جس طرح جگر متورم ہو جائے تو ایکسرے میں جگر کا سایہ اور ہوتا ہے اور پسلی کا سایہ کچھ اور ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ میرے ساتھ بھی اسی طرح ہوا کہ ڈاکٹروں نے غلط تشخیص کی وجہ سے کہہ دیا کہ جگر پھٹ گیا ہے یہ تو میں ویسے ضمناً بات کر رہا ہوں۔ میں بتا یہ رہا ہوں کہ اس آیت میں طِبَاقًا کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک تو ان میں کوئی فرق نہیں۔ ہر لحاظ سے سب آپس میں موافقت رکھتے ہیں اپنے وجود کے لحاظ سے بھی اور اپنے خواص کے لحاظ سے بھی اور اپنے اثرات کے لحاظ سے بھی۔ اختلاف کے باوجود آپس میں موافقت ہے کیونکہ اس عالمین کو انسان کی بہتری اور مفاد کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس لئے ہر آسمان (سماء الدنیا میں تو ہماری زمین بھی آجاتی ہے) انسان کی بہتری کے لئے اس کے خادم کی حیثیت میں پیدا کیا گیا

ہے۔ یہ نہیں کہ پہلا اور دوسرا آسمان تو انسان کی خدمت کر رہے ہوں اور تیسرا اس سے دشمنی کر رہا ہو۔ یہ ناممکن ہے کیونکہ فرمایا:- خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ اس میں جو بنیادی مضمون بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر بننے کے لئے اور اس کا عبد بننے کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ خدا تعالیٰ کی تمام صفات کی بُنیاد اس بات پر ہے کہ ان میں کوئی تضاد اور کوئی تفاوت اور کوئی خلل اور کوئی فساد اور کوئی فطور نہیں پایا جاتا۔ جس غرض کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے اگر اس کی زندگی اس کے مطابق ہو اور اس کی زندگی میں اندرونی طور پر بھی تضاد نہ ہو اور اس کی زندگی میں صفات باری کے انعکاس کے بارہ میں بھی کوئی تضاد نہ پایا جائے تو پھر کامیابی ہے دُنیا کی بھی اور اُخروی زندگی کی بھی۔ دین کی بھی اور دُنیا کی بھی، جسم کی بھی اور روح کی بھی۔ ہر لحاظ سے اُسے پوری کامیابی ملتی ہے اور اچھے نتائج نکلتے ہیں لیکن جب تضاد پایا جائے۔ تضاد مثلاً اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ شرک نہیں کرنا لیکن بعض لوگ کچھ خدا کے لئے زندہ رہتے ہیں اور کچھ بتوں کے لئے زندگی گزارتے ہیں اور یہ کھلم کھلا تضاد ہے۔ بعض لوگ خدائے واحد و یگانہ پر ایمان لانے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور قبروں پر جا کر سجدے بھی کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کو قادر و توانا بھی سمجھتے ہیں اور اپنی عقل اور علم کے زور سے کچھ حاصل کرنے کا تصور بھی اپنے دماغ میں رکھتے ہیں۔ ان کا نفس ایک بہت بڑا بُت بن جاتا ہے اور ان کے دماغ میں ہزاروں بت نظر آتے ہیں۔ اگر ہم خدا تعالیٰ کی دی ہوئی فراست اور اس کے عطا کردہ نور سے دیکھیں تو ہمیں ایسے لوگوں کے اندر ہزار ہا بُت نظر آتے ہیں اور یہ تضاد ہے۔ اس کے مقابلہ میں زندگی کے ہر پہلو سے خدا تعالیٰ کا ہو جانا اور اپنی زندگی میں خدا تعالیٰ کی صفات منعکس کرنے کی کوشش کرنا یعنی اپنے اپنے دائرہ استعداد کے اندر مظہرِ صفات باری بننے کی انتہائی کوشش کرنا اور ہر قسم کے تضاد سے اپنے آپ کو پاک رکھنے کی کوشش کرتے رہنا یہ کامیابی کی راہ ہے اور یہ احسن عمل ہے مگر جہاں تضاد پایا گیا وہاں حُسن نظر نہیں آئے گا۔ زندگی کے ہر پہلو سے جو عمل ہے، وہ ٹھیک طور پر بجا لانا نظر نہیں آئے گا۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں خدائے رحمٰن ہوں تمام برکتیں اور نعمتیں مجھ سے حاصل کی جا سکتی ہیں اور اس طرح حاصل کی جا سکتی ہیں کہ تمہاری زندگی میں جہاں تک خدا تعالیٰ کے

ساتھ تمہارا تعلق ہے یا تمہاری مختلف اندرونی صفات کا تعلق ہے ان میں کوئی تضاد نہ پایا جائے۔تم سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے ہو کر رہو تب تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قسم کی برکتیں اور نعمتیں ملیں گی لیکن اگر تم سارے کے سارے اللہ تعالیٰ کے لئے ہو کر اس میں زندگی گزارنے کے لئے تیار نہیں ہو گے تو پھر تمہیں کسی قسم کی برکتیں اور نعمتیں نہیں ملیں گی اور جو دُنیا کے اموال ملیں گے وہ بھی برکت کے طور پر نہیں بلکہ لعنت کے طور پر ملیں گے۔ وہ اس لئے نہیں ملیں گے کہ ان کے حصول کے بعد تم نے اپنے لئے جنت کے دروازے کھولے بلکہ وہ اس لئے ملیں گے کہ تم اُن کی وجہ سے جہنم کے اور بھی نچلے درجے کی طرف چلے جاؤ۔

دیکھو ایک وہ مال تھا۔ میں اب یہ بتا رہا ہوں کہ مال مال میں فرق ہوتا ہے۔ایک وہ مال تھا جو اُس شخص کو ملا جس کی زندگی خدا تعالیٰ کی صفات کی مظہر تھی اور اس میں کوئی تضاد نہیں تھا یعنی اس کی زندگی میں جو اعمال تھے اُن میں اور خدا تعالیٰ کی صفات کے انعکاس میں کوئی تضاد نہیں تھا چنانچہ دیکھ لو جب فتوحات ہوئیں اور مدینہ میں اموال غنیمت آئے تو کہتے ہیں ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ دینار آئے تو وہ تقسیم کرنے بیٹھ گئیں۔اُنہوں نے غرباء اور مستحقین میں تول تول کر بانٹنا شروع کر دیا اور آخر سارا مال تقسیم کر کے ہاتھ جھاڑ کر کھڑی ہو گئیں۔آخر کوئی جذبہ تھا جس نے اُن سے یہ عمل کروایا۔ اصل چیز یہ ہے کہ وہ طاقتیں اور عرفان جو انہیں حاصل تھا وہ اُس وقت کیا کہتا ہے، کچھ اُس وقت کے حالات ہوں گے کچھ دوسروں کو سبق دینا ہوگا۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ انہی صحابہ کرام میں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے بڑے فخر سے کسریٰ کے رومال میں تھوکا اور پھر اس کو استعمال کیا۔ یہ نہیں کہ کسی اور کو دے دیا لیکن ان کے ہر عمل میں یہ چیز نظر آتی ہے کہ اُن کے عمل میں تضاد کوئی نہیں تھا۔ پس ایک وہ مال ہے جس کے ذریعہ انسان قُربِ الٰہی حاصل کرتا ہے اور ایک وہ مال ہے جس کے ذریعہ لوگ ساری ساری رات شراب پیتے اور عیش کرتے ہیں۔گویا مال مال میں فرق ہوتا ہے ویسے مال اپنی ذات میں کوئی بُری چیز نہیں ہے جس رنگ میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے وہ اس مال اور دولت کی حقیقت کو بدل دیتا ہے۔

پس ساری دُنیا انسان کی خدمت پر لگا دی گئی اور انسان کو یہ کہا کہ تیری ذات میں جو

قوتیں اور استعدادیں ہیں، اُن میں اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کوئی تضاد نہیں پیدا ہونا چاہیئے کیونکہ تو نے خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر بننا ہے چنانچہ ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان کے بے شمار جلوؤں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اُن کے اندر کوئی خلل نہیں، اُن کے اندر کوئی فساد نہیں، ان کے اندر آپس میں کوئی مقابلہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ایک ایسی ہستی ہے جو حُسن کا مجموعہ ہے ہمارے پاس تو وہ الفاظ نہیں ہیں جن کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے حسن کو بیان کیا جا سکے۔ بہرحال جہاں تک ہوسکتا ہے ہم بات کرتے ہیں اور جہاں تک ہوسکتا ہے ہم سمجھتے ہیں اور اُنہیں الفاظ کا جامہ پہنا کر بات کرتے ہیں لیکن حقیقت یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی کُنہ کو سمجھنا انسان کا کام نہیں، انسان تو بڑا عاجز ہے۔

پس ظاہر ہے کہ تمام برکتیں اور نعمتیں اسی ہستی سے حاصل کی جاسکتی ہیں جس کی صفات میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا اور یہ خدا تعالیٰ ہی کی ہستی ہے جس کے متعلق ہمیں یہ حکم ہے کہ اس کی صفات کا مظہر بنو تو پھر ہماری زندگی میں بھی کوئی تضاد نہیں پایا جانا چاہیئے کوئی فتور اور کوئی خلل اور کوئی فساد نہیں پایا جانا چاہیئے۔ اب مثلاً ایک آدمی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بڑا اچھا ذہن دیا ہے۔ ذہنی لحاظ سے اُسے بہت اچھی استعدادیں دی گئی ہیں لیکن بعض گپیں ہانکنے والے اس کے دوست بن گئے تو یہ گویا اس کی زندگی میں تضاد پیدا ہو گیا۔ اس کی علمی میدان میں آگے بڑھنے کی طاقت کچھ اور تقاضا کرتی ہے اور گپیں مارنے کی عادت کچھ اور تقاضا کرتی ہے چنانچہ جب اسکی ایک حصۂ زندگی میں تضاد پیدا ہو گیا تو وہ ناکام ہو گیا۔ ہمارے ملک میں بھی اور بعض دوسرے ملکوں میں بھی بڑے اچھے ذہین بچے پیدا ہوتے ہیں مگر وہ اس لئے ضائع ہو جاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی اس نعمت کی ناشکری کرتے ہیں جو اُنہیں ذہنی استعدادوں کی شکل میں میسر آتی ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی طاقتوں کے مطابق تو اپنی زندگی میں اپنی طاقتوں کے جلوے نہیں دکھا سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق قرآن کریم میں یہ بھی آتا ہے

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ (البقرۃ: ۲۵۶)

وہ ہر وقت پورا چوکس اور بیدار رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے جلال اور اس کی کبریائی کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا لیکن بہرحال ہمارے پاس یہی الفاظ ہیں کہ وہ پوری

چوکسی کے ساتھ رہتا ہے اور غفلت کے کسی پہلو میں بھی نہیں پڑتا۔ وہ ہر قسم کی غفلت سے آزاد ہے اور اپنی طاقتوں کے جلوے ظاہر کرتا ہے۔ ہم نے اپنی استعدادوں کے مطابق کام کرنا ہے اپنی فیکلٹیز (Faculties) کے مطابق، اپنی طاقتوں کے مطابق اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق کام کرنا ہے۔ یہ درست ہے لیکن اپنی صلاحیتوں کے مطابق پورا کام کرنا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی خدائی میں پورا کام کرتا ہے لیکن اس کی خدائی غیر محدود ہے ہم اس کی طاقتوں کا احاطہ نہیں کر سکتے انسان اور اس کی طاقتیں محدود ہیں یہ درست ہے لیکن اپنی اپنی طاقت، استعداد اور صلاحیت کو پورے اور کامل طور پر بروئے کار لانا ضروری ہے پھر خدا تعالیٰ کی صفات کے مقابلہ میں کوئی تضاد نہیں پیدا ہوگا لیکن ایک شخص ہے جسے خدا تعالیٰ نے اعلیٰ ذہن دیا ہے اور وہ اسے ضائع کر رہا ہے تو یہ اندرونی تضاد بھی ہے اور خدا تعالیٰ کی صفات کے مقابلہ میں بھی تضاد ہے۔

میں نے بتایا ہے کہ بڑے اچھے ذہن ضائع ہو گئے اسی طرح جس طرح اچھے خوبصورت جسموں والے بچے پیدا ہوتے ہیں مگر بچپن میں گندی عادتوں میں پڑ جاتے ہیں اُن کی آنکھیں گڑھے میں چلی جاتی ہیں موت اُن کی آنکھوں میں نظر آنے لگتی ہے اُن کے کلّے پچکے ہوئے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو محفوظ رکھے۔ ہر شخص جو عقل رکھتا ہے اُس کے سامنے جب کبھی کوئی گندی عادتوں والا بچہ آئے تو وہ اپنے چہرے سے اپنی تاریخ بھی پڑھا دیتا ہے کہ یہ میرا ماضی ہے تو یہ تضاد ہے۔ خدا تعالیٰ کی منشاء کچھ اور ہے اور اس کا عمل کچھ اور ہے اور اسی کو تضاد کہتے ہیں ہر شخص کو حُسنِ عمل کی طاقت دی گئی ہے مگر جب اس کا ضیاع ہوتا ہے تو تضاد پیدا ہو جاتا ہے ہر ضیاع تضاد ہے۔

غرض اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اے لوگو! اگر تم میری رحمتوں اور برکتوں اور نعمتوں سے کامل حصہ لینا چاہتے ہو تو تمہاری زندگی میں کسی قسم کا تضاد نہیں پایا جانا چاہیئے۔ فرمایا تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ تمام برکتوں اور نعمتوں کا سرچشمہ اور منبع وہ ذات ہے جو بادشاہ ہے اور حقیقی طور پر بادشاہ ہے کیونکہ فرماتا ہے وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ حقیقی بادشاہت کا یہ بیان ہے کہ حقیقی بادشاہ کے لئے ہر چیز پر قادر ہونا ضروری ہے۔ ظاہر ہے جو حقیقی بادشاہ ہوگا وہ ہر چیز پر قادر ہوگا اور مصلحتیں اور حالات اور مجبوریاں اس کے راستے میں حائل نہ ہوں

گی اور نہ ہوسکتی ہیں بلکہ اُن کے حائل ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا مثلاً بادشاہ کی ایک یہ مجبوری ہے کہ چھوٹا ملک ہے جیسے گیمبیا ہے جس کی آبادی تین لاکھ افراد پر مشتمل ہے اس پر اگر کوئی ایسا ملک حملہ آور ہو جائے جس کی آبادی ایک کروڑ کی ہے تو اس صورت میں چھوٹا ملک کچھ نہیں کرسکتا۔ اچھی بادشاہت ہوتے ہوئے بھی وہ مقابلہ نہیں کرسکتا اور یہ اس کی مجبوری ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے تو کوئی مجبوری نہیں۔ وہ عظیم ہستی جس نے کُنْ کہہ کر ساری کائنات کو پیدا کر دیا اور اسی کے حکم سے ساری کائنات نشوونما پا رہی ہے، اُس کے لئے تو کوئی مجبوری نہیں ہے۔

پس اللہ تعالیٰ ہی تمام برکتوں اور نعمتوں کا سرچشمہ ہے اگر برکتیں اور نعمتیں لینی ہوں تو اسی کی طرف رجوع کرو کہ وہ حقیقی طور پر بادشاہ ہے وہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے کوئی طاقت اس کی راہ میں روک نہیں بن سکتی۔ خدا تعالیٰ سے جو برکتیں اور نعمتیں حاصل کرنے کی کوشش کرو اس میں صرف اس دُنیا کو مدنظر نہ رکھو بلکہ اس کی برکتوں کے ایک حصہ کا تعلق موت سے ہے اور ایک کا تعلق زندگی سے ہے۔ پس ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ زندگی اور موت کو پیدا کرنے والے رب کی ہر قسم کی برکتیں حاصل کریں جن کا اس زندگی سے تعلق ہو یا جن کا موت سے تعلق ہو۔ انسان کے لئے ہر موت ایک نئی زندگی کا دروازہ کھولتی ہے لیکن خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ کے محاورہ میں ہم نہیں گئے کہ زندگی سے تعلق رکھنے والی اور ایک زندگی کو چھوڑ کر دوسری زندگی میں جانے سے تعلق رکھنے والی جو برکتیں اور نعمتیں ہیں وہ خدا تعالیٰ سے حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اس کے لئے بنیادی طور پر جو راہیں اور اصول بتائے گئے ہیں وہ یہی ہیں کہ تمام برکتیں اسی عظیم ہستی سے حاصل کی جا سکتی ہیں جس کی خَلق کے اندر اور جس کی حسنات کے جلوؤں کے اندر تمہیں کوئی تضاد نظر نہیں آتا اور ساتھ طریقہ بھی بتا دیا کہ تمہارے اندر تضاد نہیں ہونا چاہیئے۔

پچھلے سال دُنیا نے جماعت احمدیہ کے کردار کا ایک عظیم نظارہ دیکھا۔ جماعت کی عظمت اور اس کا حُسن اسی وجہ سے تھا کہ اُن کے اندر کوئی تضاد نہیں پایا جاتا تھا۔ احباب جماعت نے مصائب و مشکلات میں بھی کہا تو یہی کہا کہ ہم نے خدا کی آواز کو سُنا اور پہچانا اور اسی کے لئے

ہماری زندگی ہے اور اس میں ہم خوش ہیں اور راضی ہیں۔ اُنہیں دُکھ دیئے جا رہے تھے مگر وہ مسکراتے چہروں کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔ یہ گویا عجیب نظارہ تھا جو غیروں کو پاگل کر دینے والا تھا کیونکہ لوگ سمجھتے تھے کہ وہ اپنی طرف سے سب کچھ کر رہے ہیں لیکن ان پر کوئی اثر ہی نہیں ہو رہا۔ یہ وہ حقیقی مقام ہے جس پر جماعت احمدیہ قائم ہے یہ ایک سال کے لئے تو اُسے نہیں دیا گیا تھا بلکہ خدا تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ جماعت اپنے اس مقام پر ہمیشہ کھڑی رہے اور وہ اپنے اندر ہمیشہ عظمت اور حُسن پیدا کرنے کی کوشش کرتی رہے۔ یہی حُسن ہے جس کے ساتھ ہم نے دُنیا کے دل جیتنے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے ایک حصہ کے اموال اور دولتیں اور مکان اور دُکانیں لُٹیں اور جلائی گئیں لیکن جب زلزلہ آیا تو جماعت نے اپنے مظلوم بھائیوں کے لئے پیسے دے دیئے اور یہ نہیں کہا کہ جب ہم مصیبت میں تھے تو اُنہوں نے ہمارا خیال نہیں رکھا بلکہ یہ کہا کہ جب میرے محبوب اور پیارے اللہ کی یہ مخلوق مصیبت میں ہے تو ہمارے مال بہرحال اس کے کام آئیں گے کیونکہ ہماری زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے پیار کو حاصل کرنا ہے۔ پس جماعت احمدیہ کو جو مقام حاصل ہوا وہ اس وجہ سے ہوا کہ ہماری زندگی تضاد سے پاک زندگی ہے یہ نہیں کہ ایک طرف خدا سے ڈرتے ہیں اور دوسری طرف دُنیا سے ڈرتے ہیں بلکہ ہم خدا تعالیٰ کے اس فرمان پر عمل کرتے ہیں:- فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي (البقرۃ: ۱۵۱) قرآن کریم ان مثالوں سے بھرا پڑا ہے جمعہ کی نماز کے خطبہ میں انسان مختصراً بات کرتا ہے ایک یہ کہ اگر تم خدا سے بھی ڈرو گے اور کسی اور سے بھی ڈرو گے تو تمہاری زندگی میں تضاد پیدا ہو جائے گا اس لئے فرمایا:- فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي لوگوں سے نہیں ڈرنا بلکہ مجھ (اللہ) سے ڈرنا ہے کیونکہ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی ذات کا تعلق ہے خشیت صرف اسی کی ہمارے دل میں پیدا ہونی چاہیئے۔ جماعت احمدیہ نے دُنیا کو خشیت اللہ کا عجیب نظارہ دکھایا۔ میں نے کئی بار اپنی مجلسوں میں بھی یہ کہا کہ گو ہر جلسہ سالانہ کوئی نہ کوئی رنگ لے کر آتا ہے کیونکہ ہمارے جلسہ سالانہ پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا سایہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ (الرحمٰن: ۳۰) اس کی رو سے ہر جلسہ سالانہ میں کوئی نہ کوئی نیا رنگ پیدا ہو کر اس کی مجموعی کیفیت کو بدل دیتا ہے اس لئے ہمارا

گذشتہ جلسہ سالانہ بھی منفرد ہے اس لحاظ سے کہ اس میں جماعت احمدیہ کا جو کردار تھا اور اس کا جو مقام تھا وہ یوں اُبھرا کہ دُنیا حیران رہ گئی۔ احبابِ جماعت کو ڈرایا گیا ان کو دھمکایا گیا بظاہر پیار کے رنگ میں یہ بھی کہا گیا کہ بڑی مشکل ہے یہ جلسہ نہ ہو تو اچھا ہے یا تھوڑے سے آدمی بلا لئے جائیں لیکن خدا کا یہی منشاء تھا اور جماعت کی یہی خواہش تھی اور جماعت کے امام کا یہی فیصلہ تھا کہ ہم معمول کے مطابق جلسہ سالانہ منعقد کریں گے۔ دُنیا داروں کے جو افعال ہیں اُن کے نتیجہ میں ہمیں اتنا بھی احساس نہیں ہونا چاہیئے جتنا کہ کسی آدمی کو راہ چلتے ہوئے کانٹا چبھنے کا احساس ہوتا ہے اور اس لئے فرمایا:- فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ہم نے اللہ تعالیٰ کی خشیت کے نتیجہ میں انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنی ہے اور خدا تعالیٰ کی یہ خشیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اتنی عظیم ہستی کہ فرمایا تَبٰرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ ہم اسی سے ہر برکت اور نعمت حاصل کریں کیونکہ اس کے بغیر کسی اور سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ ہم نے اس کے لئے زندگی گزارنی ہے اور اس کی منشاء کے مطابق ہم نے کام کرنا ہے اس نے مہدی کو بھیجا اور کہا کہ ہر سال ایک جلسہ کیا کرو۔ ہم نے جلسہ کر دیا اگر کبھی ایسی روک پیدا ہو جو بعض دفعہ پیدا ہوئی ہماری تاریخ میں کہ جلسہ ہو ہی نہ سکے تو یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے۔ ہم اس سے خوش ہیں لیکن آپ ہی خوف کے مارے نیکیوں کا کام اور نیکی کی باتیں سُننے کا جو ایک موقع ہے اس کو گنوا دیں یہ تو نہیں ہوسکتا۔

پس پچھلا جلسہ سالانہ جو تھا اس میں جماعت کا جو حقیقی مقام تھا یہ کہ اُن کا اپنا وجود ہی کوئی نہیں۔ یہ عاجزی کا مقام ہے اور ان کی زندگی ساری کی ساری خدا تعالیٰ کی رحمتوں کی وجہ سے ہے ورنہ نہیں ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کا پیار ہمیں حاصل نہیں تو ہم نے زندہ رہ کر کیا کرنا ہے اور اگر خدا تعالیٰ کا پیار ہمیں حاصل ہے تو پھر کسی اور کی ہمارے دل میں خشیت کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔ تو بہت سی میں نے بتایا سینکڑوں چیزیں ہیں جن کی نشاندہی کی گئی ہے فرمایا یہ کرو گے تضاد پیدا ہو جائے گا یا یہ نہ کرو گے تو تضاد پیدا ہو جائے گا۔ اندرونی زندگیوں میں اور خدا تعالیٰ کی صفات کا مظہر بننے میں اور تمہاری صلاحیتوں اور استعدادوں کے درمیان تضاد پیدا ہو جائے گا، تم ناکام ہو جاؤ گے۔

بعض دُنیا داروں نے اس بات کو سمجھا ہے چیئرمین ماؤزے تنگ کے دماغ میں بھی یہ بات آئی ہے کہ تضاد نہیں ہونا چاہیئے۔ ایک دفعہ مجھے چینی سفیر ملے اُن سے بڑی لمبی باتیں ہوئیں۔ مختصراً ایک بات بتا دیتا ہوں میں نے اُن سے کہا کہ چیئرمین ماؤ نے کہا کہ انسانی زندگی میں تضاد نہیں ہونا چاہیئے۔ اُن کے سامنے اور ان کے تصور میں تو صرف دُنیا ہی کی زندگی ہے ہمارے سامنے یعنی ایک مسلمان کے سامنے دُنیا کی یہ زندگی جو بڑی حقیر اور بڑی چھوٹی ہے، یہ بھی ہے اور ہمیشہ قائم رہنے والی اور بہت بڑی ایک اور زندگی بھی ہے جس کا ہمیں وعدہ دیا گیا ہے اور جس پر ہمیں یقین ہے کہ وہ بھی ہے۔ بہرحال تضاد نہ ہو میں نے کہا ٹھیک ہے اُن کے دماغ میں آیا لیکن ہمیں تو قرآن کریم نے چودہ سو سال پہلے یہ تعلیم دی تھی کہ ہماری زندگیوں میں دُوہرا پن یعنی تضاد نہیں ہونا چاہیئے۔ اندرونی تضاد بھی نہیں ہونا چاہیئے اور خداتعالیٰ کی صفات کے مقابلے میں بھی تضاد نہیں ہونا چاہیئے۔ چینی سفیر کو یہ سُن کر بڑا تعجب ہوا وہ سمجھتے تھے کہ انسانی تاریخ میں شاید چیئرمین ماؤ کے دماغ میں پہلی دفعہ یہ بات آئی ہے حالانکہ یہ ایک بُنیادی حقیقت ہے اور اسے قرآن کریم نے بیان کیا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایک احسن اسوہ اور عمدہ مثال پیدا ہوئی اور ہمیں نظر آئی۔ آپ کی زندگی اس طرح ہے جس طرح کہ گویا خداتعالیٰ کی صفات کے سایہ کے نیچے گزری۔ ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ہے کہ جہاں کوئی تضاد ہو۔ جنگوں کا حکم نہیں تو مظلومیت کی زندگی گذار دی، جنگوں کی اجازت ملی تو ٹوٹی ہوئی تلواریں لے کر میدان میں نکل کھڑے ہوئے۔ آپ کے فدائیوں نے جانیں دیں شہید ہوئے۔ کہتے ہیں ستّر شہیدوں کی لاشوں کو ایک ہی گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ آپ کی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر پہلو یہ بتا رہا ہے کہ صرف خدا سے تعلق ہے۔ دُنیا سے تعلق خدا کے واسطے سے ہے خدا سے علیحدہ ہو کر نہیں۔ دُنیا سے علیحدہ ہونے کا تو اسلام نے ہمیں سبق نہیں دیا۔ خدا میں ہو کر خدا کی مخلوق سے واسطہ اور چیز ہے اور خدا سے دور ہو کر خدا کی مخلوق سے تعلق قائم کرنا اور چیز ہے۔ گویا آپ کی زندگی کا ہر پہلو بتاتا ہے کہ اتنا عظیم انسان کہ نہ کسی ماں نے پہلے جنا اور نہ آئندہ جن سکتی ہے مگر پھر بھی آپ فرماتے ہیں اے عائشہ! میری مغفرت بھی خدا کے فضل کے بغیر ممکن نہیں۔ حدیث میں آتا ہے آخری عمر میں جسم کمزور ہو جاتا ہے گھنٹوں تہجد کی نماز

پڑھتے ، پنڈلیاں متورم ہو جاتیں۔ تو پہلے تو یہ تھا کہ خدا تعالیٰ کے فضل کے بغیر میری مغفرت نہیں اس موقع پر کہا گیا اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور کہہ دیا آپ کو مغفرت مل گئی۔ تو پھر کیا ضرورت ہے اتنی لمبی نمازیں پڑھنے کی۔ تو آپ نے فرمایا کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ یہ ایک عجیب زندگی ہے لیکن وہ استعداد تو ہم میں نہیں یہ تو درست ہے لیکن جتنی بھی ہماری استعداد ہے اس میں آپ کو ہمارے لئے اسوۂ حسنہ بنایا گیا ہے۔

جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ اسوۂ حسنہ کا یہ مطلب نہیں کہ انسان کی ساری عمر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جیسی بن سکتی ہے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ یہ ہے کہ آپ نے اتنی محنت کی کہ اپنی جسمانی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی قوتوں اور صلاحیتوں اور استعدادوں کو اپنے کمال تک پہنچا دیا۔

جس کی جتنی استعداد اور صلاحیت ہے اس کے مطابق وہ اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کو کمال تک پہنچائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر عمل پورا ہو جائے گا۔ ہر شخص کا دائرۂ استعداد مختلف ہے لیکن ہر دائرہ استعداد میں جتنی بھی استعداد ہے اس کو کمال تک پہنچنا چاہیئے اس کے لئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اُسوہ حسنہ ہے۔ پھر صحابہؓ کی زندگی ہے۔ اس میں بھی کوئی تضاد نہیں ہے جب تضاد نہ ہو تو تکلف نہیں ہوتا۔ اس دنیا کی زندگی میں یہ جو تکلف ہے اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ کہلوایا گیا کہ مَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ (صٓ:۸۷) فرمایا میری روح اور میری زندگی میں تکلف نہیں پایا جاتا کیونکہ تکلف تضاد ہے۔ ایک شخص کے پاس مہمان آیا اس کی توفیق ہے دال کھلانے کی اور اُس نے مرغا تلاش کرنا شروع کر دیا تو یہ تکلف ہے اور ہر تکلف تضاد ہوتا ہے۔ زمینداروں کی عام طور پر عادت ہوتی ہے کہ کھلانا مرغا ہے چاہے دوپہر کا کھانا رات کو کھلائیں۔ ایک دو دفعہ ہمیں بھی اس کا تجربہ ہوا ہے۔ ویسے تو عادتیں مختلف ہوتی ہیں لیکن مجھے جس وقت کھانا کھانے کی عادت ہے اس وقت میں روکھی روٹی پانی سے کھالوں تو میری صحت ٹھیک رہتی ہے اور اگر میں تین گھنٹے انتظار کر کے کھانے کی جتنی بھی دنیوی نعمتیں ہیں وہ کھاؤں تو میری صحت خراب ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ ہم باہر گئے ہوئے تھے واپس آنے لگے تو بعض دوست پیچھے پڑ گئے کہ جی کھانا ہم

کھلائیں گے چنانچہ ایک بجے کا کھانا پانچ بجے تک تیار نہیں ہوا تھا کہ ہم نے معذرت کی اور واپس آ گئے سخت سر درد شروع ہو گیا۔

پس تکلف تضاد ہے بڑوں اور چھوٹوں میں تکلف مختلف ہوتا ہے۔ کھانے کی میں نے بات کی ہے تو بچوں کے بارہ میں بھی بتا دوں۔ میرے پاس متعدد بار اکیلا باپ یا ماں باپ دونوں آتے ہیں کہ ہمارا بچہ کھاتا کچھ نہیں اس لئے بہت کمزور ہے۔ بچہ بھی ساتھ ہوتا ہے میں ہنس کر کہتا ہوں کہ یہ تو کھانا چاہتا ہے تم نہیں کھانے دیتے۔ وہ کہتا ہے مثلاً کہ فلاں چیز کھانی ہے تم کہتے ہو نہیں، نہیں اس سے تو تُو بیمار ہو جائے گا۔ فلاں چیز کھاؤ اس کو نہیں اچھی لگتی وہ نہیں کھائے گا۔ تو نہ کھانے کی وجہ سے کمزوری پیدا ہو جائے گی۔ ایک دفعہ میرے پاس ایک دوست آئے اور اپنے بچے کی کمزوری کا حال بیان کیا تو میں نے کہا یہ کیا چیز مانگتا ہے مجھے بھی بتاؤ جو تم کھانے کو نہیں دیتے۔ کہنے لگے مونگ پھلی مانگتا ہے۔ میں نے کہا کہ پھر پہلا کام گھر جا کر یہ کرنا کہ میری طرف سے مونگ پھلی خرید کر اس بچے کو دے دینا۔ اس موضوع پر ایک ریسرچ ہوئی ہے تکلف کے نتیجہ میں ردعمل ہوتے ہیں ہر جگہ تکلف ہے بچوں کے کھانے کا تکلف ہے۔ ایک امریکن لڑکا جس کے ماں باپ اس سے ہر وقت تکلف کیا کرتے تھے کہ یہ نہیں کھانا، یہ کھانا ہے۔ اس کے دماغ میں اس کا ایسا اثر ہوا کہ اس نے بچپن میں یہ عہد کیا کہ بڑے ہو کر ڈاکٹر بنوں گا اور کھانے پینے کے معاملہ میں خصوصاً بچوں کے بارہ میں ریسرچ کروں گا۔ وہاں چونکہ دولت بڑی ہے بعض ایسوسی ایشنز (Associations) پیسے دے دیتی ہیں اس نے جب ارادہ ظاہر کیا تو کسی ایسوسی ایشن نے اسے ریسرچ کے لئے پیسے دے دیئے اور اس نے نیوٹریشن (Nutrition) یعنی بچوں کو کیا غذائیت ملنی چاہیئے پر ریسرچ شروع کر دی۔ پانچ دس ڈاکٹر اس کے ساتھ اَور تھے۔ انہوں نے ۲۰۔۲۵ سال تک ریسرچ کی اور اس کے بعد اُس نے ایک بڑی اچھی کتاب لکھی اور اس کا خلاصہ ایک فقرہ میں یہ تھا کہ انسانی جسم کھانے کے لحاظ سے اٹھارہ سال تک بچہ ہے۔ اس عمر تک غذا کا جو اصول ہے وہ یہ ہے کہ بچہ کو جس وقت جس چیز کی جتنی مقدار میں خواہش پیدا ہو، وہ اُسے ملنی چاہیئے۔

پس خواہش اندر سے پیدا ہوتی ہے۔ بعد میں ہمارے ماحول اندر کی بعض طاقتوں کو

کمزور کر دیتے ہیں۔ایک دفعہ ہماری بڑی پھوپھی جان کی ایک نواسی کو اسہال لگے ہوئے تھے وہ ملنے آئی تو اس کو بھنے ہوئے چنے دے دیئے گئے ہمارے گھروں میں بالعموم بُھنے ہوئے چنے بہت پسند کئے جاتے ہیں اس کو اسہال آرہے تھے پھوپھی جان نے چنے رکھے، وہ کہے میں نے چنے کھانے ہیں۔ باپ ڈاکٹر تھا وہ کہے اس کا تو پیٹ خراب ہے اس کو تو اسہال آرہے ہیں چنے کھانے سے تو اور بیمار ہو جائے گی۔ پھوپھی جان نے کہا بالکل نہیں۔ جو یہ کہتی ہے وہ اسے کھانے دو اس نے چنے کھائے اور اسے اسہال سے آرام ہو گیا۔

پس کھانے پینے کے معاملہ میں کوئی تکلّف نہیں کرنا چاہیئے۔کھانے پینے کا تکلّف لعنت بن جاتا ہے حقیقتاً لعنت بن جاتا ہے جو چیز میسر ہے وہ اپنے وقت پر کھاؤ۔انسان کا جسم کچھ ایسا بنا ہے کہ اسے خاص وقفہ کے بعد غذا ملنی چاہیئے۔عادتوں کی وجہ سے یہ وقفہ مختلف ہو جاتا ہے ہمارے زمیندار بھائیوں کا وقفہ ذرا لمبا ہوتا ہے۔قادیان کی بات ہے میں خدام الاحمدیہ کا صدر تھا برسات کے موسم میں میں اٹھوال گیا۔ وہاں ایک دن بارش ہوگئی اب وقت مقرر کیا ہوا تھا ہم نے چھ سات میل کا فاصلہ طے کیا تھا کہ پتہ لگا آگے پانی ہی پانی ہے۔ ہمارے پاس مانگے کی موٹر تھی وہ وہاں نہیں جاسکتی تھی۔خدام الاحمدیہ کے قائد آئے اُنہوں نے ہمارا سامان اُٹھایا اور گُھٹنے گُھٹنے پانی میں کہیں زیادہ اور کہیں کم ہم چھ سات میل پیدل چلے اٹھوال پہنچے۔رات وہاں ٹھہرے۔ میں چونکہ عام طور پر کھانے میں تکلف نہیں کرتا جو لوگ مجھے جانتے ہیں وہ میرے ساتھ تکلف نہیں کرتے۔خیر جو کھانا میسر تھا وہ اُنہوں نے دے دیا بڑا مزیدار کھانا تھا۔ صبح اُنہوں نے پراٹھے کھلائے پھر پتہ لگا نہر ٹوٹ گئی ہے۔ میں خدام کو لے کر وہاں چلا گیا دو تین گھنٹے کام کیا قائد صاحب نے بھی کام کیا میں ان کی بات کر رہا ہوں۔ پھر ہم دوپہر کے بعد واپس چلے تو اُنہوں نے ہی سامان اُٹھایا اور چھ سات میل کا فاصلہ پانی میں طے کیا۔ میں نے سوچا اُنہوں نے تو میرے سامنے کہیں بھی کھانا نہیں کھایا موٹر میں بیٹھنے لگے تو میں نے اُن سے پوچھا تمہیں کھانا کھاتے نہیں دیکھا کہنے لگے کہ نہیں جی کام میں کھانا نہیں کھایا، اب جاکر کھالیں گے۔

پس وہ تو اتنا لمبا وقفہ بھی برداشت کر جاتے ہیں۔ان کی ایسی عادت ہے لیکن تکلف نہیں

کرنا چاہیئے۔ یہ صحیح ہے کہ کوئی شخص کھانا کم کھاتا ہے اور کوئی زیادہ کھاتا ہے بعض دفعہ مہمان بن کر چلے جائیں تو بعض میزبان ایسے بھی ہوتے ہیں جو زبردستی کھلاتے ہیں۔ کہتے ہیں تمہیں ضرور کھلانا ہے چاہے بعد میں اسہال سے جان نکل جائے اور بعض لوگ ایسے ہیں مثلاً حیدرآباد میں یہ مشہور ہے کہ وہاں دعوت پر جو لوگ بھی جاتے تھے وہ کھانا گھر میں کھا کر جاتے تھے اور کہتے تھے ہم تو بہت کم خور لوگ ہیں ہم تو چڑیا کی زبان اور روٹی کا پھپھولا کھانے والے ہیں بس ذرا سا لقمہ لیا اور کھا لیا حالانکہ پیٹ بھر کر آئے ہوئے ہوتے تھے گھر سے۔ تو یہ تکلف ہے اور یہ تکلف بھی تضاد ہے۔ میں اصل چیز یہ بتا رہا ہوں کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ تمہاری زندگیوں میں کسی قسم کا تضاد پیدا نہیں ہونا چاہیئے کہ اندرونی طور پر اور نہ خدا تعالیٰ کی صفات کے مقابلے میں۔ اندرونی طور پر اس طرح کہ تمہاری ایک صلاحیت ایک چیز کا تقاضا کر رہی ہے اور دوسری صلاحیت کو تم نے دوسری طرف لگا دیا ہے حالانکہ خدا تعالیٰ نے ساری صلاحیتوں کا مجموعہ تمہیں ایسا بنا کر دیا تھا کہ جن میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔ ویسے بھی خلق خدا میں تضاد نہیں پایا جاتا۔ اس آیت میں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی خلق کے اندر کوئی تضاد نہیں پایا جاتا۔ جہاں مرضی ہو جا کر تلاش کرو تمہیں خلقِ خدا میں کوئی تضاد نہیں نظر آئے گا۔ خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو جتنی صلاحتیں دیں اُن میں آپس میں کوئی تضاد نہیں بلکہ اُن میں یک جہتی ہے اور اُن کا آپس میں بڑا گہرا اور مضبوط تعلق ہے تو آپس میں اندرونی تضاد نہیں ہونا چاہیئے اور خدا تعالیٰ کی صفات سے انسان کے اعمال کا تضاد نہیں ہونا چاہیئے۔ جو صلاحیتیں ہمیں ملی ہیں اگر اُن کا صحیح استعمال کیا جائے تو تضاد نہیں ہوگا۔

پس جس بات کی مجھے ہر وقت فکر رہتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی صفات کی جس حد تک معرفت حاصل کی ہے اور جماعت نے صفات الٰہیہ کی معرفت کا جو مقام حاصل کیا ہے اور جس پر وہ گذشتہ سال باوجود سخت مشکلات اور مصائب کے قائم رہی ہے اس مقام پر وہ ہمیشہ قائم رہے۔ اپنی زندگیوں میں اور اپنے اعمال میں کسی قسم کا تضاد نہ پیدا ہونے دیں۔ اندرونی طور پر بھی اور خدا تعالیٰ کی صفات کے مقابلہ میں بھی اپنی زندگیوں میں تضاد پیدا کر کے اپنے رب سے لڑائی نہ مول لیں۔

جماعت کا ہر فرد ہر چھوٹا اور بڑا، ہر جوان اور بوڑھا، ہر مرد اور عورت صدق وصفا سے رہے۔ خدا تعالیٰ کے دامن کو کسی لحظہ نہ چھوڑے تا خدا تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہم پر نازل ہو اور جس غرض کے لئے ہمیں پیدا کیا گیا ہے وہ غرض پوری ہو اور جس مقصد کے لئے جماعت احمدیہ قائم کی گئی ہے وہ موقعہ حاصل ہو۔ آمین۔''

(از رجسٹر خطباتِ ناصر غیر مطبوعہ)

۞۞۞